کے لئے جینا مرنا

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد از خطبہ: ۔

عرصۂ طویل کے بعد آپ حضرات سے ملاقات کا موقع مل رہا ہے اور شاید اس سے قبل اتنا لمبا عرصہ نہ ہوا ہو۔ مختلف سفر اور مختلف اعذار کی وجہ سے حاضری نہ ہو سکی لیکن الحمد للہ مومن کا کسی بھی حال میں گھاٹا نہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ایمان کامل عطا فرما دیں اور صحیح فکر و عمل عطا فرمائیں۔ انسان جس حال میں ہو اگر اس حال کے مناسب انسان کام کرتا ہے تو یہ سب دین

کا حصہ ہے۔

یہ جو ہم قربانی کرتے ہوئے ایک آیت کریمہ پڑھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے کہ قربانی کے وقت یہ آیت پڑھی جائے۔

﴿ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ
وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ
رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ (الانعام:۱۶۲)

ترجمہ: ”بیشک میری نماز اور میری قربانی
اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ
رب العالمین کے لیے ہے۔“

یہ ایک عجیب وغریب آیت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ فرمادیجیے کہ میری نماز اور میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے قربانی کے وقت ان

الفاظ کی ادائیگی کو سنت بنا دیا۔

اخلاص کی برکت

دراصل اس آیت کریمہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مومن کا ہر لمحہ خواہ وہ کسی بھی حال میں ہو اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ جہاں تک عبادتوں کا تعلق ہے ان کے بارے میں تو یہ آیت واضح ہی ہے کہ ہر عبادت اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ اور یہی معنی اخلاص کے بھی ہیں کہ انسان کی عبادت کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو جو ہر عبادت کی روح ہے۔ چنانچہ اگر کسی مختصر سی عبادت میں بھی اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اور اگر بڑی سے بڑی عبادت میں اخلاص نہ ہو تو اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

اخلاص کی اہمیت پر ایک واقعہ

قربانی کا معنی عربی زبان میں یہ ہے کہ وہ چیز جس سے اللہ کا

قرب حاصل کیا جائے اور قرب حاصل ہوتا ہے اخلاص سے۔ پس اگر کوئی آدمی چھوٹی سی بھی قربانی کر دے لیکن اس میں اخلاص شامل ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہے اور اگر بڑے سے بڑے جانور کی قربانی کی لیکن اس میں اخلاص شامل نہ تھا تو اس قربانی کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے قربانی پیش کی جن میں سے ایک کا نام ہابیل تھا اور دوسرے کا قابیل۔ قابیل نے ایک موٹے تازے دنبے کی قربانی پیش کی اور ہابیل کو کوئی دنبہ وغیرہ میسر نہیں آیا تو اس زمانے میں اس بات کی بھی اجازت تھی کہ اگر نفلی قربانی ہو اور کوئی جانور میسر نہ ہو تو گندم کے خوشے قربانی کے طور پر دے دیے جائیں۔ اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ جو قربانی اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے تھے اس کے لیے آسمان سے آگ اترتی تھی اور اس کو جلا دیتی تھی اور آگ نہ اترنا اس بات کی علامت تھی کہ قربانی قبول نہیں ہے۔ تو ہابیل اور قابیل کی قربانی میں سے ہابیل کی قربانی کو آگ نے جلا دیا اور دنبہ

یونہی پڑا رہ گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

﴿ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ

مِنْ اَحَدِهِمَ وَلَمْ

يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ﴾ (المائدہ۔۲۷)

"ہابیل اور قابیل نے قربانی پیش

کی تو ان دونوں میں سے ایک

کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے

کی قبول نہیں ہوئی۔"

اب قابیل کہ جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی اس نے ہابیل سے کہا کہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ قصہ تو طویل ہے لیکن کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بظاہر دیکھنے میں قابیل کی قربانی زیادہ قیمتی ہے اور ہابیل کی قربانی معمولی ہے لیکن اس کے باوجود ہابیل کی معمولی قربانی قبول ہوگئی۔ معلوم یہ ہوا کہ اخلاص بہت اہم چیز ہے۔

زندگی کا ہر کام اللہ کے لیے ہو

یادرکھیے! کہ عبادات میں تو اخلاص ضروری ہے ہی جیسا کہ قرآن حکیم نے فرمایا" ان صلاتی ونسکی " لیکن آگے جو عجیب بات ارشاد فرمائی وہ یہ ہے:

﴿ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

" کہ میرا جینا مرنا بھی اللہ کے لیے ہے۔ "

یعنی عبادات کے علاوہ تمام کام جو زندگی سے متعلق ہیں، وہ سب اللہ رب العالمین کے لیے ہوں۔ چنانچہ کھانا، پینا، سونا، جاگنا، کمانا، ہنسنا اور بولنا سب اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ اگرچہ بظاہر یہ تمام کام اپنے نفس کے لیے نظر آرہے ہیں لیکن اگر انسان چاہے تو صحیح نیت کرکے اس کام کو اللہ تعالیٰ کے لیے بنا سکتا ہے اور جب وہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاتا ہے تو وہ عبادت بن جاتی ہے اور پھر اس پر اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے۔

نفس کا حق

مثلاً انسان بھوک کے تقاضے کی وجہ سے کچھ کھانا چاہتا ہے اب بظاہر تو وہ کھانا ہی ہے اور نفس کے تقاضے کا عمل ہے۔ اب اس وقت ایک لمحے کے لیے رک کر یہ تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نفس کا بھی مجھ پر حق رکھا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

﴿ اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ﴾

"تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔"

اور نفس کا حق یہ ہے کہ اسے مناسب غذا فراہم کی جائے کیونکہ یہ نفس میری ملکیت میں نہیں بلکہ یہ بھی دینے والے کی عطا ہے جو میرے پاس امانت ہے اور اس کو غذا اس نیت سے فراہم کی جائے تاکہ اس میں اللہ کی بندگی کی طاقت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کو بھوک لگی ہو اور کھانا بھی موجود ہو لیکن وہ اس کو نہ کھائے

اور مسلسل بھوکا رہے اور اسی بھوک کے عالم میں بھوک کی وجہ سے
وہ مر جائے یاد رکھیے! وہ حرام موت مرا۔

یہ جان اللہ کی امانت ہے

اسی سے بھوک ہڑتال کا حکم معلوم بھی ہو گیا کہ بہت
سے لوگ نہ کھانے کا ارادہ کر لیتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی جان کو
اپنی ملکیت میں سمجھ رکھا ہے، اسی وجہ سے وہ اس کے ساتھ جو
چاہتے ہیں کر گذرتے ہیں۔ اور لوگوں میں ایک مرض یہ بھی ہے
کہ اگر بھوک ہڑتال کے دوران کوئی شخص مر جائے تو وہ "شہید
اعظم" کہلاتا ہے کہ اس نے اپنے حقوق کے لئے لڑتے ہوئے
جان دے دی اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ حرام موت مرا ہے۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ ہم نے یہ نفس جو تمہیں امانت کے
طور پر دیا ہے تم پر اس کے کچھ حقوق ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿ یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۞ (المؤمنون۔۵۱)

"اے رسولو! پاک چیزوں میں سے
کھاؤ اور نیک کام کرو۔"

یہ نفس ہم نے تمہیں اس لیے دیا ہے کہ تم اسے اچھے سے اچھا کھلاؤ اور ساتھ ساتھ اچھے سے اچھا عمل بھی کرو۔ یہ نفس تمہیں اس لیے نہیں دیا کہ تم اسے بھوکا مار دو۔ لہٰذا یہ تصور کہ یہ نفس میری ملکیت ہے غلط ہے۔ جب بھوکا رہنے سے بچنا ضروری ہوا اور بھوکا رہنا بلاوجہ حرام ہوا تو مطلب یہ ہو گیا کہ واجب ہے۔ لہٰذا کھانا کھاتے وقت یہ نیت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے عائد کیے ہوئے فریضے کی وجہ سے میں کھا رہا ہوں تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کے لیے ہو گا اور اس پر اجر و ثواب ہو گا۔ نیز یہ بھی نیت کر لو کہ جناب رسول اللہ ﷺ بھی کھانا کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ معترضین نے اعتراض کر دیا کہ کیسا پیغمبر ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ

آسمان سے کوئی فرشتہ پیغمبر بن کر نازل ہوگا جس کو کھانے پینے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ حالانکہ پیغمبر انسانوں میں اسی لیے بھیجا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ کوئی اور مخلوق نہیں بلکہ تمہیں میں سے ایک فرد ہے اور جیسی خواہشات تمہاری ہیں اسی طرح اس کی بھی خواہشات ہیں اور اسی لحاظ سے یہ کھانا بھی کھاتا ہے۔ لہذا اس اعتبار سے کھانا کھانا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہوا۔

بسم اللہ پڑھنے کی وجہ

پھر کھانا کھاتے وقت ابتداء میں بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ یہ بسم اللہ کا جو حکم ہے اس لیے نہیں کہ بسم اللہ کوئی منتر ہے بلکہ اس طرف توجہ مبذول کرانے کے لیے ہے کہ میں جو کھانا کھا رہا ہوں وہ اللہ کی رضا کے لیے کھا رہا ہوں۔ یہ کھانا اسی کی عطا ہے اسی کا حکم ہے اور اسی کے نبی ﷺ کی سنت ہے۔ پھر کھانا کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرو۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا ﴾

تو یہ کھانا اللہ کے لیے ہو جائے گا۔ اسی طرح نیند آنے کے وقت سونے کا عمل بظاہر تو نفس کا تقاضا ہے لیکن اگر یہ نیت کر لی جائے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

﴿ اِنَّ لِعَیْنِكَ عَلَیْكَ حَقًّا ﴾

"کہ تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔"

تو یہ سونا بھی اللہ کے لیے ہو جائے گا۔ یہ جو سرکاری مشین اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے یہ پیدائش سے لیکر مرتے دم تک تمہارا ساتھ دیتی ہے۔ اس کو نہ کسی سروس کی ضرورت ہے اور نہ تیل ڈالنے کی لہذا اس کا حق یہ ہے کہ اس کو تھوڑا آرام بھی دو۔ اسی طرح مزدوری کے ذریعے بظاہر تو مقصد پیسے کمانا ہوتا ہے لیکن نیت یہ کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس اور بیوی بچوں کے جو حقوق رکھے ہیں ان کی ادائیگی کے لیے کسب معاش بھی ضروری ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے فرائض کے بعد سب سے بڑا فریضہ حلال روزی کمانا ہے۔ تو اس نیت سے مزدوری

اور تجارت وغیرہ بھی ثواب بن جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ صبح سے لیکر شام تک زندگی میں کوئی کام ایسا نہیں ہے جس کو صحیح نیت کر کے اللہ کے لیے نہ بنایا جا سکے۔

موت اللہ کے لیے کیسے ہو؟

اور شان کریم کی آیت میں لفظ " ومماتی "یعنی میری موت بھی اللہ کے لیے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا جان دے دے یا پھر اگر جہاد کا موقع نہیں ہے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ میرے حق میں بہتر سمجھیں گے مجھے موت عطا فرما دیں گے۔

اگرچہ موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے لیکن اس کی جگہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا تلقین فرمادی۔

﴿ اللهم احينى ما علمت الحيوة

خير الى توفنى اذا علمت

الوفاۃ خیر الی ﷺ

"اے اللہ جب تک میرے حق میں زندگی
بہتر ہے تب تک تو مجھے زندہ رکھ اور جب
میرے حق میں موت بہتر ہو جائے تو تو
مجھے موت دے دے۔"

پس جب انسان نے اپنی زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دی تو جینا بھی اللہ کے لیے ہوا اور مرنا بھی اللہ کے لیے ہوا۔

مومن کا کسی حال میں گھاٹا نہیں

ایک مرتبہ اس چیز کا ارادہ کر کے مشق کرنے کی ضرورت ہے کہ زندگی کے ہر کام میں اللہ کو راضی کرنے کی نیت کرو۔ اگر یہ کام کر لیا تو اس سے ہر جائز کام ثواب بن جاتا ہے کیونکہ مومن کا کسی حال میں گھاٹا نہیں اگر اس کو کوئی خوشی ملتی ہے وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ عبادت ہوتا ہے۔ اگر اس کو غم لاحق ہو جائے

،وہ اس پر صبر کرتا ہے اور "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھتا ہے

اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور مشیت پر سر تسلیم خم کر دیتا ہے تو پھر اس

کی طرف قرآن حکیم کا یہ ارشاد متوجہ ہوتا ہے۔

﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ

بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر۔۱۰)

"صبر کرنے والوں کو ان کا اجر

بے حساب دیا جائے گا۔"

گویا جب اللہ کی خاطر کسی بھی چیز پر صبر کیا جاتا ہے تو اللہ

تبارک وتعالیٰ بے بہا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

سنت پر عمل کرنے والا قریب ہے

میں نے شاید اس سے قبل یہ واقعہ سنایا ہو کہ حضرت

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک مشہور اور بڑے لاڈلے صحابی

تھے۔ ان سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دلی باتیں بھی کہہ دیا کرتے

تھے اور کبھی کبھی ڈانٹ بھی دیتے تھے۔

تقریباً ۹ھ کا واقعہ ہے کہ دینی مصلحت کا تقاضا یہ ہوا کہ ان کو یمن بھیج دیا جائے کیونکہ یمن فتح ہو چکا تھا اور وہاں کسی ایسے حاکم کی ضرورت تھی جو حکومت بھی کرے اور لوگوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ بھی انجام دے۔ حضور اقدس ﷺ کی نگاہ انتخاب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم یمن چلے جاؤ اور ان کو مدینہ منورہ سے اس شان کے ساتھ رخصت کیا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے اور حضور ﷺ پیدل ان کے گھوڑے کی باگ تھامے انہیں کافی دور تک رخصت کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ اس وقت حضور ﷺ کو بذریعہ وحی یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ میری زندگی اب اس دنیا میں تھوڑی ہی ہے۔ ادھر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی جلدی واپسی کی کوئی توقع نہ تھی۔ لہذا حضور اقدس ﷺ نے چلتے چلتے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

اے معاذ! شاید یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہو اور اس کے بعد تم مجھے نہ دیکھ سکو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اتنے جانثار صحابی اب تک نجانے کس طرح ضبط کر رہے تھے لیکن جب یہ جملہ سنا کہ اے معاذ! آج کے بعد شاید تم مجھے نہ دیکھ سکو تو اندر سے غم واندوہ کا لاوہ ایک دم پھوٹ پڑا اور حضرت معاذ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ ﷺ کی آنکھوں میں بھی آنسو آنے لگے تو آپ ﷺ نے چہرہ آبادی کی طرف پھیر لیا اور فرمایا اے معاذ! اگرچہ تم مجھ سے جدا ہو رہے ہو لیکن یاد رکھو کہ جو شخص میری سنت پر عمل کرنے والا ہے وہ ہر وقت مجھ سے قریب ہے چاہے وہ دور ہی کیوں نہ ہو اور جو شخص میری سنت پر عمل نہیں کرتا وہ مجھ سے دور ہے چاہے وہ کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔

ایک عجیب واقعہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ جب آنحضور ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوتے تھے تو عام طور سے روضہ اقدس کی

جالی کے سامنے کچھ دور جو ایک ستون ہے اس کے پاس جاکر کھڑے ہوجاتے تھے، جالی کے قریب نہیں جاتے تھے۔ایک دن فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ مجھے یہ خیال ہوا کہ پتا نہیں تمہارے دل کی کیا قساوت ہے کہ سب لوگ تو جالی کے قریب جاکر بیٹھ جاتے ہیں اور اس تک پہنچ جاتے ہیں اور تم آگے نہیں بڑھ پاتے، پیچھے ہی رہتے ہو؟ تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے روضہ اقدس میں سے آواز آرہی ہو کہ جو شخص ہماری سنت پر عمل پیرا ہے وہ ہم سے قریب ہے خواہ ظاہری نظر میں ہم سے کتنے ہی فاصلے پر ہو، اور جو شخص ہماری سنت پر عمل پیرا نہیں وہ ہم سے دور ہے چاہے وہ ہمارے روضے کی جالیوں سے چمٹا ہوا ہو۔

حاصل کلام یہ کہ ایک مومن کا مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرتے ہوئے اللہ جل جلالہ کی رضامندی ہے۔

نہ تو ہے ہجر ہی اچھا، نہ وصال اچھا
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا

محبت کا اصل تقاضہ یہ ہے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھ لیجیے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے لیکن موت کے وقت یہ کیفیت ہے کہ کوئی تو قسطنطنیہ کی دیوار کے نیچے فوت ہو رہا ہے اور کوئی سندھ میں آ کر شہید ہو رہا ہے۔ حالانکہ بظاہر محبت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ جہاں آپ ﷺ تشریف فرما ہیں انسان وہاں سے ہلے ہی نہ۔ لیکن وہ محبت کے اصل تقاضے کو جانتے تھے کہ محبت کا اصل تقاضہ یہ نہیں ہے کہ محبوب سے چمٹے رہو بلکہ اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ محبوب کی رضا کے مطابق کام کرو۔

عشق تسلیم و رضا کے ماسوا کچھ بھی نہیں
وہ وفا سے کوش نہ ہوں تو پھر وفا کچھ بھی نہیں

لہذا اگر ایک مومن اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قریب ہے خواہ وہ بظاہر کتنا ہی دور ہو۔

اللہ تعالیٰ کبھی اس طرح بھی نوازدیتے ہیں

حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ کا ایک واقعہ میں نے اپنے والد ماجد اور اپنے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ اسرارھما سے سنا ہے کہ ایک شخص حضرت حاجی صاحب کے سامنے آکر یہ کہتا تھا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ہر سال حج کرتے ہیں تو حسرت ہوتی ہے کہ لوگوں کو تو بار بار حاضری ہو رہی ہے اور مجھے چونکہ وسائل میسر نہیں اس لیے حاضری کی توفیق نہیں ملتی۔ تو حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے فرمایا یہ بتاؤ

کہ اللہ تعالیٰ صرف مکہ اور مدینہ میں ہی ہیں یا یہاں بھی ہیں؟ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ہر جگہ ہیں اور تم وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہاں نہ پہنچ پائے تو کیا اللہ تمہیں صرف اس وجہ سے محروم کردیں گے کہ تمہارے پاس پیسے نہیں تھے؟ تم اللہ کے ساتھ ایسی بدگمانی کرتے ہو؟ یاد رکھو! اگر تمہاری نیت یہ ہو کہ جب کبھی وسائل مہیا ہوں گے تو انشاء اللہ وہاں حاضری دوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں سے بھی حصہ عطا فرمائیں گے اور تمہیں محروم نہیں فرمائیں گے۔ ان کی شان تو یہ ہے کہ کبھی تو نیکی پر نواز دیتے ہیں اور کبھی نیکی کی حسرت پر انعام عطا فرما دیتے ہیں۔

نیکی کی حسرت پر لوہار کا درجہ بڑھ گیا

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی رحمت کا معاملہ فرمایا لیکن وہ درجہ مجھے نصیب نہ ہوا جو میرے پڑوس میں رہنے والے لوہار کو

ملا، کیونکہ اگرچہ وہ لوہار تھا لیکن جونہی اس کے کان میں ''حی علی الصلوۃ'' کی آواز پڑتی تو اگر اس نے ہتھوڑا سر پر بلند کر رکھا ہوتا تو بجائے اس کے کہ وہ لوہے پر دے مارتا، وہ ہتھوڑا پیچھے پھینک دیتا تھا اور نماز کے لیے چلا جاتا تھا اور اپنی بیوی سے یہ کہا کرتا تھا کہ ہم تو دن رات دنیاداری کے کام میں مشغول رہتے ہیں اس لیے ہمیں موقع نہیں ملتا کہ جس طرح یہ اللہ کے بندے ساری رات کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہتے ہیں اسی طرح ہم بھی پڑھتے۔ اگر ہمیں بھی فراغت ہوتی تو ہم بھی عبداللہ بن مبارک کی طرح رات کے وقت عبادت کر لیا کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تجھے تیری اسی حسرت پر نواز دیا اور تجھے وہ درجہ دیا جو عبداللہ بن مبارکؒ کو بھی نہ دیا۔

ایک بزرگ اور ایک عورت کی خواہش

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے اپنے ایک وعظ

میں ارشاد فرمایا کہ ایک بزرگ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں بڑے خزائن سے نوازا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بہت بڑے بزرگ بھی سمجھے جاتے تھے۔ آخری عمر میں انہوں نے سوچا کہ مدینہ منورہ چلا جاؤں تاکہ وہیں پر موت آئے اور جنت البقیع کی مٹی نصیب ہو۔ چنانچہ وہ بزرگ وہاں جا کر مقیم ہو گئے۔ پھر ان کا انتقال ہو گیا اور انہیں جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا اور بظاہر ان کی آرزو پوری ہو گئی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اس بزرگ کے مدفن کو کھودنے کی ضرورت کسی وجہ سے پیش آ گئی، چنانچہ جب اسے کھود کر دیکھا تو وہ بزرگ وہاں سے غائب تھے اور ان کی جگہ ایک یورپین عورت پڑی ہوئی تھی۔ لوگ بڑے حیران و پریشان ہوئے اور یہ خبر سن کر بہت بڑا مجمع اسے دیکھنے کے لیے آ گیا۔ اس مجمع میں شامل لوگوں نے دیکھا تو اس میں ایک شخص کچھ عرصہ فرانس میں رہ کر آیا ہوا تھا، اس نے کہا کہ میں اس عورت کو پہچانتا ہوں۔ یہ تو پیرس میں تھی اور مسلمان ہو گئی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے تو اس جگہ ان

بزرگ کو دفن کیا تھا، یہ عورت یہاں کیسے آگئی؟ پھر اس قصے کی تحقیق کی گئی۔ چنانچہ لوگوں نے ان کی بیوی سے اس بارے میں پوچھاکہ کیا کوئی خاص بات ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہاں دفن ہونے کی فضیلت سے محروم رکھا؟ تو انہوں نے کہا ویسے تو وہ بزرگ آدمی تھے البتہ ان میں ایک یہ بات تھی کہ کبھی کبھی کہا کرتے تھے کہ اسلام میں ساری باتیں تو بہت اچھی ہیں لیکن غسل جنابت کی پابندی بڑی کٹھن ہے، جبکہ عیسائی مذہب میں یہ بات اچھی ہے کہ اس میں غسل جنابت فرض نہیں۔ اور اس عورت کے متعلق اس شخص نے بتایا کہ اس عورت کی مسلمان ہونے کے بعد یہ خواہش تھی کہ کاش! میں کسی طرح مدینہ منورہ جا کر مروں اور جنت البقیع میرا دفن ہو، تو اللہ تعالیٰ نے دفن کے بعد بھی اس عورت کی حسرت کو اس طرح پورا کیا کہ اس کو اندر ہی اندر جنت البقیع منتقل فرما دیا۔

لہذا نیک کام کی توفیق ہو جائے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرو

اور جو کام بن نہ پڑے تو کم از کم دل میں یہ ہمت رکھو کہ اگر وسائل میسر آتے تو میں یہ کام کرتا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں نوازنے میں کوئی کمی نہیں۔

کوئی جو ناشناس ادا ہو تو کیا علاج
انکی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

روزانہ کا معمول

میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم نماز فجر پڑھ چکو تو ایک مرتبہ دل سے نیت کرو کہ آج میں جو کام بھی کروں گا وہ اللہ کے لیے کروں گا۔ اس کے بعد جب اپنی ڈیوٹی پر جانے کے لیے گھر سے نکلنے لگو تو یہ نیت کرلو کہ میں اللہ تعالیٰ کے عائد کیے ہوئے فریضے کو ادا کرنے جارہا ہوں۔ اس سے خود بخود دل میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ یہ کام میں اللہ کے لیے کررہا ہوں۔ لہٰذا اس کے عائد کیے ہوئے احکام کے مطابق کروں گا۔ پھر وہ شخص رشوت، جھوٹ، فریب، دھوکے

دہی وغیرہ چیزوں کے ارتکاب میں مبتلا نہ ہو گا۔ پھر جب گھر واپس آجاؤ تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے یہ نیت کر لو کہ میں اپنے گھر والوں سے گفتگو، ہنسنا بولنا اللہ کے حکم کی وجہ سے کروں گا۔ پھر رات کے وقت اس بات کا جائزہ لو کہ میں اپنی نیت کے مطابق کام میں مشغول رہا یا نہیں۔ جتنے کام نیت کے مطابق ہوئے اس پر اللہ کا شکر ادا کرو۔ اور جو نیت کے مطابق نہ ہو سکے اس پر استغفار کرو۔ اس استغفار و توبہ کی برکت سے ایک درجہ بلند ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت نصیب ہو گی اور توبہ اللہ تعالیٰ کو بڑی محبوب ہے۔

بچا بچا کے نہ رکھ اسے کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

یہ اپنے روزانہ کا معمول بنالو اور صبح کو اٹھ کر یہ آیت پڑھ لو۔

﴿ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ

وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿

اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ انشاء اللہ رفتہ رفتہ بہکنے کے مواقع ختم ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے جو شخص اس کے راستے پر چلنا شروع کرے تو وہ گرتا پڑتا منزل تک پہنچ ہی جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے راستے میں کوشش کرتا ہے ہم اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے راستے پر لے جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ﴾

(العنکبوت۔ ٦٩)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بچہ جب چلنا شروع کرتا ہے تو ایک دم ہی چلنا شروع نہیں کر دیتا بلکہ گرتے پڑتے چلتا ہے تو سامنے سے ماں باپ اسے بلاتے ہیں، جب وہ چلتے چلتے گرنے لگتا ہے تو ماں باپ اسے آگے بڑھ کر پکڑ لیتے ہیں اور اسے گرنے

نہیں دیتے، تو پھر ارحم الراحمین اپنے بندوں کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کی خاطر عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی رضا کی خاطر جینے اور مرنے کا جذبہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔